© rasailojaraid.com

میں خلیہ سلطنت کے زوال، شاہان کی سفلہ پروری، قوانین اور ضابطوں کی طرف سے بے توجہی کی بنا پر خواص و عوام سب نے ہاتھی کی سواری اپنی عظمت اور سماجی اقتدار و نام و نمود کے مظاہر کے لیے ہاتھی کی سواری کو اپنا لیا۔ اس سلسلے میں جہاندار شاہ کے زمانے کا ایک واقعہ دل چسپی سے خالی نہیں ہے۔ جیسا کہ ہمیں معلوم ہے کہ اس بادشاہ کے زمانے میں نچلے طبقے کے افراد کو کافی عروج حاصل ہوا۔ انہیں اعلیٰ عہدے دیے گئے۔ انہیں ہاتھی، گھوڑے اور پالکیاں عطا کی گئیں اور ان پر سوار ہونے کی اجازت بھی مرحمت فرمائی گئی۔ انہی "نودولتیوں" میں زہرہ کنجڑن تھی۔ وہ مادہ فیل پر سوار حرم سرا شاہی میں لال کنور سے ملاقات کرنے جایا کرتی تھی۔ ایک دن فتح خاں ولد غازی الدین خاں فیروز جنگ اپنی پالکی میں کسی عالم سے ملاقات کرنے جا رہا تھا۔ راستے میں زہرہ کی سواری ملی اور اس کے ملازم خان موصوف سے بدتمیزی سے پیش آئے۔[1] احمد شاہ بادشاہ نے مان خاں نامی مطرب، اپنے ماموں کو ہاتھی عطا کیا تھا۔[2] نواب جاوید خاں خواجہ سرا ہاتھی کی سواری پر باہر نکلا کرتا تھا۔[3]

اٹھارہویں صدی میں مرکزی حکومت کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر صوبائی گورنروں نے اپنی آزاد حکومتیں قائم کر لی تھیں۔ مثلاً اودھ، بنگال، حیدرآباد وغیرہ ان والیان ریاست نے اپنے آقاؤں کے کروفر و شان و شوکت کے طرز کو اپنا لیا تھا اور ہاتھی کی سواری کرنے لگے تھے۔ مگر بادشاہ وقت کی موجودگی میں کوئی شخص ہاتھی پر سوار نہ ہوتا تھا۔ امرا اور والیان ریاست کے سامنے کوئی شخص ہاتھی پر سوار نہ ہوتا تھا۔ اگر کسی وجہ سے والی ریاست کی سواری آجائے تو فوراً سوار ہاتھی سے نیچے اتر کر دست بستہ کھڑا ہو کر مجرا ادا کرتا تھا۔[4]

---

[1] سیر المتاخرین (ا۔ت) ۲/ص ۱۳ - ۱۴

[2] تاریخ احمد شاہی۔ ص ۱۶ ب [3] ایضاً۔ ص ۱۸ ب

[4] برائے تفصیل ملاحظہ ہو۔ اہلیہ میر حسن علی۔ OBSERVATIONS ETC. 148

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نواب شجاع الدولہ کی سرکار میں پانچ سو ہاتھی تھے[۱] عیدین کے موقعوں پر والیان ریاست ہاتھی کی سواری پر عیدگاہ جاتے تھے اور نوروز کے جشنوں کے موقع پر ہاتھی پر باہر نکلتے تھے۔ اہلیہ میر حسن علی نوابین اودھ کے بارے میں لکھتی ہیں۔

"عیدین کے دنوں میں ہاتھیوں کو ندی میں لے جاکر خوب صاف ستھرا کیا جاتا تھا۔ بعد ازیں ان کے جسم پر خوب تیل ملا جاتا تھا جس کی وجہ سے ان کا جسم چمکنے لگتا تھا۔ انکی پیشانیوں کو شوخ رنگوں سے رنگا جاتا تھا۔ ان کے ہودے اور آرائشی چیزیں بے حد قیمتی اور بھڑکیلی ہوا کرتی تھیں۔ زیورات سنہرے اور روپہلے ہوا کرتے تھے۔ ان کی پیٹھوں پر مخمل کی چادریں یا بیل بوٹے سے مزین کپڑے ڈالے جاتے تھے"[۲]

نوابین کے حرم کی مستورات بھی ہاتھی کی سواری پر نکلتی تھیں اور ان کا طرز سفر عالمگیر اور بہادر شاہ اول کے عہد کے رواج کے مطابق تھا[۳]

۱۔ چہار گلزار شجاعی ص ۲۲۱ ب جب نواب آصف الدولہ شکار کے لیے روانہ ہوتا تھا تو اسکے ہمراہ کم و بیش سو ہاتھی ہوتے تھے۔ تفضیح الغافلین۔ ص ۶۱، واقعات اظفری ص ۹۱، شہزادہ عالی گہر کو نواب نے دو ہاتھی بطور نذر پیش کیے تھے۔ سیر المتاخرین (ا۔ت) ۳/ص ۴۰۔ عماد السعادت ص ۴۹ میجو رننگ نے لکھا ہے کہ نواب آصف الدولہ کے فیل خانے میں ایک ہزار ہاتھی تھے۔

TRAVELS IN INDIA: P. 313; 168, VALENTIA: I, PP. 149-51

۲۔ OBSERVATIONS ETC. 144-49. مولوی خیر الدین نے نواب کی سواری کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے۔ اول فیلان نشان بعد ازاں تمامی لوازم امارت از قسم فیلان کوہ شکوہ با جلہائی زربفت و ہودج و عماری نقرہ۔ واقعات شاہ عالم۔ ص ۲۸ ب۔ رقعات مرزا قتیل۔ ص ۲۶، ۲۸، ۳۴، ۳۵۔

۳۔ MEMOIRS OF DELHI AND FAIZABAD: II, PP. 248-49.

© rasailojaraid.com

چند روز جاپان میں

(۶)

سعید احمد اکبر آبادی

پروفیسر عبدالکریم کے ساتھ گھوم پھر کر کوٹو کے بازاروں، پارکوں سیرگاہوں اور اس کے گلی کوچوں کی خوب سیر و سیاحت کی۔ شام کو چائے ہم دونوں بدل بدل کر نئے رلیستوران میں پیتے اور وہاں کچھ دیر بیٹھ کر وہاں کے ماحول سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ اور ساتھ ہی گلی کوچوں میں گھومنے پھرنے سے یہ محسوس ہوا کہ اگرچہ آج جاپان، صنعت و حرفت۔ تہذیب و تمدن اور معاشیات میں امریکہ کا سب سے بڑا حریف ہے لیکن یہ کہنا غلط ہوگا کہ وہاں غربت و افلاس اور بے روزگاری کا وجود نہیں ہے، یا وہاں امیری اور غریبی کے درمیان کوئی فاصلہ نہیں ہے۔ البتہ ایک بات جو بے خوف تردید کہی جا سکتی ہے، یہ ہے کہ جاپان کا ہر شخص مرد و عورت ہو یا بوڑھا اور جوان۔ اس کو اپنی قوم اور ملک سے محبت نہیں عشق ہے اور ان کی خاطر وہ ہر قسم کی قربانی دینے کے لئے ہر وقت بخوشی آمادہ ہے۔ میں نے ایک مرتبہ ایک جاپانی لڑکی سے سوال کیا کہ یہاں سڑکیں اور گلی کوچے اس درجہ کیوں صاف نظر آتے ہیں؟۔ اس نے فوراً جواب دیا "ملک ہمارا محبوب ہے اس لیے ہم اسے صاف ستھرا رکھنے کا طبعی جذبہ رکھتے ہیں" اسی طرح معلوم ہوا کہ وہاں چوری اور ڈاکہ کے واقعات بھی شاذونادر ہی ہوتے ہیں۔

کوئی شخص جاپان جائے، اور اس کا دارالحکومت ٹوکیو نہ دیکھے تو اس نے وہاں دیکھا کیا۔ چنانچہ مجھ کو بھی وہاں جانے کا بڑا ارمان تھا۔ اور کانفرنس کے مندوب ہونے کی حیثیت سے ٹوکیو جانے کا ایک موقع تھا بھی لیکن میں نے قصداً اس سے فائدہ اٹھانے سے انکار کر دیا۔

© rasailojaraid.com

صورت یہ تھی کہ ٹوکیو میں بودھ مذہب کا ایک نہایت عظیم الشان مرکز ہے۔ اس کی طرف سے کانفرنس کے مندوبین کو دعوت تھی کہ وہ ۲۱ اکتوبر کو کانفرنس سے فارغ ہوکر ۲۲ کو ٹوکیو آئیں اور مرکز کے مہمان رہیں۔ اس میں تو کوئی قباحت نہیں تھی لیکن وہاں کے پروگرام میں عبادت کا جز بھی شامل تھا۔ میرے لیے عبادت میں اوّل تو شریک ہونا ہی ناممکن تھا۔ اور پھر خیال یہ بھی ہوا کہ جب ہم لوگ ان کے مہمان ہوں گے اور ان کے دوسرے پروگراموں میں شریک رہیں گے تو ٹوکیو کو آزادی کے ساتھ دیکھنے اور اس میں گھومنے پھرنے کا موقع کہاں ملے گا! اس بنا پر میں نے دعوت نامنظور کردی تھی۔ لیکن اب سوال یہ تھا کہ ٹوکیو جاؤں تو کس طرح؟ ٹکٹ کا تو خیر انتظام تھا ہی۔ کانفرنس نے جو ٹکٹ دیا تھا وہ براہ ٹوکیو واپس جانے کے لیے کافی تھا لیکن ایک کرایہ ہی کا مسئلہ تو نہیں تھا۔ ٹوکیو میں اگر ایک دن بھی قیام کرنا ہو تو کم از کم پانچ سو روپے درکار ہیں۔ کیوٹو میں جس کمرہ میں میرا قیام تھا اس کا کرایہ۔ کھانے پینے کے علاوہ۔ ڈھائی سو روپے ماہوار تھا اور گرانی کا یہ عالم کہ ناشتہ کہیں کیجئے تو دس بارہ روپے سے کم نہیں۔ لنچ اور ڈنر کو اس پر قیاس کرلیجئے، اور ادھر ہم لوگوں کو جو اکسچینج ملتا تھا وہ ڈھائی سو روپے سے زیادہ کا نہیں تھا۔ میں وہاں روپیہ قرض بھی لے سکتا تھا لیکن طبیعت اس کو گوارا نہ کرسکی اس لیے سخت ادھیڑ بن میں تھا کہ کیا کروں کہ اللہ تعالیٰ نے غیب سے خود بخود اس کا انتظام فرما دیا۔ ہوا یہ کہ پروفیسر عبدالکریم نے ایک روز مجھ سے پوچھا "آپ ٹوکیو تو آرہے ہیں نا؟" میں نے کہا جی ہاں ارادہ تو ہے لیکن صرف چند گھنٹوں کے لیے۔ میں ٹوکیو پہنچکر اپنا سامان وہیں ایرپورٹ پر چھوڑ دوں گا۔ اور دو تین گھنٹے شہر میں گھومنے کے بعد واپس ہوکر دوسرے جہاز سے نئی دہلی کے لیے روانہ ہوجاؤں گا۔" عبدالکریم نے یہ سنا تو بہت بگڑے اور کہنے لگے: "یہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔ آپ ٹوکیو میں ایک ہوٹل میں قیام کریں گے اور میرے مہمان رہیں گے۔ میں نے ہر چند معذرت کی لیکن وہ نہ مانے اور آخر مجھ کو ان کی دعوت قبول کرنی پڑی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ ان کی اس باصرار دعوت کا سبب ان کے خلوص اور محبت کے علاوہ یہ امر بھی تھا کہ یہ بودھ مذہب کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مرکز کی دعوت قبول نہیں کی تھی۔ اس عہد و پیمان کے بعد عبدالکریم ۱۹ر کی شام ہی کو ایک ضرورت سے ٹوکیو روانہ ہوگئے اور طے یہ پایا کہ میں ۲۲ر کی صبح ٹوکیو پہونچوں گا۔

شاما | اب کوئٹو میں ۲۰ر اور ۲۱ر کی شام خالی تھی۔ لیکن اس موقع پر بھی قدرت نے عجیب انتظام کیا۔ میں ۱۹ر کو عشا کی نماز سے فارغ ہو کر اپنے کمرہ میں بیٹھا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ فون اٹھا کر میں نے اپنا نام بتایا تو ایک زنانی آواز نے کہا "میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں" میں نے کہا "آپ کا نام" جواب ملا "اگر آپ مجھ کو میری آواز سے نہیں پہچان سکے ہیں تو اب میں نہیں بتاؤں گی"۔ میں سخت پریشان کہ یہاں اس درجہ بے تکلف کون نکل آیا۔ آخر میں نے کہا "بہت بہتر! ابھی آجائیے" جواب ملا "شکریہ! میں ابھی آتی ہوں"۔ نصف گھنٹے کے بعد دروازہ پر دستک ہوئی اور میں نے دروازہ کھولا تو میری حیرت اور مسرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ جب میں نے دیکھا کہ میرے سامنے شاما اپنے دو بچوں کے ساتھ کھڑی تھی۔ وہ بھی مجھ کو دیکھ کر خوشی سے بے قرار ہوگئی۔ شاما کے والد ڈاکٹر بنرجی کلکتہ میں میرے بڑے مخلص اور عزیز دوست تھے اور ان کی وجہ سے ان کے پورے گھرانہ سے میرے عزیزانہ تعلقات تھے۔ ڈاکٹر بنرجی کو تصوف کا خاص ذوق تھا اور اردو فارسی شاعری سے بھی بڑی دل چسپی تھی۔ ایک زمانہ میں کئی برس تک الہ آباد رہ چکے تھے اس لیے اردو تہذیب اور اردو زبان سے کافی مانوس تھے۔ جب میں نے کلکتہ چھوڑا ہے اس وقت شاما سترہ اٹھارہ برس کی تھی اور غالباً بی۔اے۔ میں پڑھتی تھی میرے علی گڈھ آنے کے چند برس بعد ڈاکٹر بنرجی کا تو انتقال ہوگیا لیکن ان کے گھر والوں نے مجھ کو فراموش نہیں کیا۔ شاما کی شادی ایک لائق اور فاضل ڈاکٹر ایس۔ این۔ بوس سے ہوئی ہے اور میاں بیوی دونوں ایک عرصہ سے امریکہ اور یورپ میں دو تین برس کے کنٹریکٹ پر ایک ملک سے دوسرے ملک میں گھومتے رہتے ہیں۔ اس زمانہ میں چھ سات ماہ سے کوئٹو میں مقیم تھے۔ شاما سے میری آخری ملاقات ۱۹۵۳ء میں قاہرہ میں ہوئی تھی۔ یہاں کوئٹو میں اس کو کسی ذریعہ سے میرا علم ہوا تو کانفرنس کے دفتر سے معلومات حاصل کرکے مجھ تک پہنچ گئی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہایت خوش طبع، خوش مزاج اور بڑی لائق اور قابل لڑکی ہے۔ انگریزی میں ایم۔اے۔ کیا ہے اس نے مجھ کو ہمیشہ چچا کہا اور میں نے بیٹی کہہ کر اس کو پکارا ہے۔

شاما ایک گھنٹہ تک دنیا بھر کی باتیں اور گپ شپ کر کے واپس ہوگئی اور اب پروگرام یہ بنا کہ جب تک میں کوٹو میں ہوں یعنی صرف دو دن۔ شاما اور اس کے شوہر شام کو سات بجے میرے ہوٹل میں آجایا کریں گے اور مجھے اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ اور میں جاپانی کھانا بھی انہیں کے ساتھ کھاؤں گا۔ چنانچہ شاما فیملی اور میں ہم سب شام کو نکل جاتے اور کسی اعلیٰ درجہ کے ریستوران میں ڈنر کھاتے تھے۔ ایک دن باتوں باتوں میں شاما نے کہا: "چچا میں ہندوستان میں فسادات کی خبریں پڑھتی ہوں تو بڑا دکھ ہوتا ہے۔ آخر یہ فسادات ختم کیوں نہیں ہوتے؟" تو میں نے کہا "بیٹی! اس کی وجہ یہ ہے کہ:

ہم ہلاک جادوئے سامری تو قتیل شیوۂ آزری

شاما اور بوس دونوں کو اردو شعر و شاعری کا ذوق ہے اس لیے بہت خوش ہوئے اور اقبال کی پوری غزل مجھ سے ترنم کے ساتھ سنی! ۲۱ کی شام کو سیر و تفریح اور ڈنر سے فارغ ہو کر ہم ہوٹل پہنچے تو چونکہ دوسرے دن علی الصباح مجھ کو کوٹو سے روانہ ہونا تھا اس لیے شاما اور بوس میرے کمرہ میں آکر بیٹھ گئے اور دیر تک باتیں کرتے رہے۔ جب رخصت ہونے لگے تو مجھ کو شاما نے پانچ سو روپے دینا چاہے کہ آپ کو ٹوکیو میں ضرورت ہوگی۔ آپ وہاں کوئی تکلیف نہ اٹھائیں۔ اس نے ہر چند اصرار کیا لیکن میں بالکل آمادہ نہیں ہوا۔ اور بے حد شکریہ کے ساتھ معذرت کر دی۔ اب اس نے مجھ کو بطور تحفہ ایک بنڈل دیا جو میری بیوی اور بچوں کے لیے تھا۔ میں نے شاما کے بچوں کے لیے کچھ مٹھائیوں اور پیسٹری کے ڈبے خرید رکھے تھے وہ ان کے حوالے کیے اور رات کے گیارہ بجے کے قریب وہ رخصت ہوگئے۔

ٹوکیو | ان سب کے چلے جانے کے بعد سونے کے ارادہ سے لیٹا تو عرفی کا یہ شعر بے ساختہ زبان پر آگیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تمتع من شمیم عرار نجد
فما بعد العشیة من عرار

ترجمہ:- اے قیس! نجد کے پھولوں کی خوشبو سے لطف اندوز ہولے کیوں کہ آج کی شب کے بعد یہ پھول نہ ملیں گے۔ پھر اردو کا یہ شعر بھی یاد آیا۔

آئے تھے ہم مثل شبنم سیرِ گلشن کر چلے
لے لے مالی باغ اپنا، ہم تو اپنے گھر چلے

اور فارسی کا وہ شعر:

"حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد" —— تو مشہور ہے ہی۔ وہ بھلا کیوں یاد نہ آتا

۲۲ کی صبح حسب معمول علی الصباح بیدار ہو کر اپنا سامان درست کیا۔ حوائج ضروریہ، نماز اور ناشتہ سے فراغت حاصل کی ۸ بجے بس آ گئی۔ ہم میں سے جو لوگ ٹوکیو جا رہے تھے ان کو لے کر روانہ ہوئی۔ آدھ گھنٹہ میں اساکا پہنچ گئی۔ اس سفر میں روس کا وفد بھی ہمراہ تھا۔ ½ ۹ بجے جہاز اڑا۔ اور ایک گھنٹہ میں ٹوکیو پہنچا دیا۔ ہم (میں اور روسی وفد کے ارکان) باہر آئے تو پروفیسر عبدالکریم اپنے ایک عزیز کے ساتھ معہ ان کی کار کے استقبال کے لئے موجود تھے انہوں نے سینٹر آف ایشیا کلچر نامی ایک متوسط درجہ کے ہوٹل میں قیام کا بندوبست کیا تھا۔ ایک ڈیڑھ گھنٹہ میں ایرپورٹ سے یہاں پہنچے۔ یہاں ہم لوگوں کے لیے جو کمرے محفوظ کرا لیے گئے تھے وہ پاس پاس تھے۔ ایک کمرہ تنہا میرے لیے تھا اور دوسرے کمرہ میں روسی وفد کے دونوں ارکان مقیم تھے۔ ہوٹل پہنچ کر کمروں میں منتقل ہونے کے بعد پروفیسر عبدالکریم اور ان کے عزیز ہم کو ہمراہ لے کر ٹوکیو کی سیر کے لیے نکل گئے۔ سبحان اللہ کیا شہر ہے۔ سرتاپا نفاست و لطافت ایک مجموعۂ طلسمات و عجائب! ہر شے میں شان و شوکت اور طنطنۂ و طمطراق کے ساتھ ایک خاص قسم کا نکھار اور جمالیاتی توازن و تناسب۔ یہاں پہنچ کر اندازہ ہی نہیں ہوتا کہ ہم نیویارک میں ہیں یا واشنگٹن میں۔ پیرس میں ہیں یا روم میں! صرف ایک قوم کی یکساں صورت و شکل، یکساں لباس۔ اور جاپانی زبان میں تمام بورڈ۔ اشتہارات اور اعلانات ان چیزوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے محسوس ہوتا ہے کہ ہم جاپان کے دارالحکومت میں ہیں۔ سیر و تفریح کار میں ناممکن ہے۔ اس لیے اس کو چھوڑ کر ہم کبھی "وے" میں بیٹھے اور کبھی مونو ریلوے (یعنی وہ ریل جو صرف ایک پہیہ پر چلتی ہے) کہتے ہیں اس کی رفتار دو سو میل فی گھنٹہ ہے اور یوں بھی جاپانی ریلوے دنیا کی سب سے زیادہ تیز رفتار ریلوے تسلیم کی گئی ہے۔ وقت کی پابندی کا یہ عالم کہ ٹائم ٹیبل میں وقت دیکھ کر گھڑی لا لیجئے۔ پھر مجال ہے کہ کہیں ایک مسافر پر دوسرا مسافر گرے۔ شور و شغب اور ہنگامہ ہو۔ کوئی چیز ٹوٹی پھوٹی یا میلی کچیلی نظر آئے۔ کسی مسافر کو آپ لیٹا ہوا یا اونگھتا ہوا نہیں پائیں گے۔ عورت مرد جوان بوڑھے اور بچے سب اپنی اپنی سیٹ پر چپ بیٹھے ہوئے ہیں ان میں بے کار کوئی نہیں ہے۔ کوئی اخبار پڑھ رہا ہے، کوئی میگزین اور کتاب۔ عورتیں جو کتاب یا اخبار نہیں پڑھ رہی ہیں بننے کا سامان ان کے ہاتھ میں ہے اور وہ برابر حرکت میں ہے۔ دو شخص اگر بات بھی کر رہے ہیں تو آہستہ آہستہ تاکہ پاس بیٹھے ہوئے مسافروں کو ناگواری نہ ہو۔ معلوم نہیں سگریٹ پینا ممنوع ہے یا نہیں! بہر حال مجھے کہیں سگریٹ کا دھواں نظر نہیں آیا۔ حقیقت یہ ہے کہ جو قومیں اپنے آپ کو بنانا چاہتی ہیں ان کے لیے جاپان ایک منظم اور منضبط اجتماعی زندگی کی ایک روشن اور قابل تقلید مثال پیش کرتا ہے۔ یہ چیز نیویارک اور واشنگٹن جہاں کے لوگ کھلنڈرے اور خوش باش ہیں۔ اور جو زندگی کو ایک قہقہۂ مسرت سے زیادہ کچھ اور نہیں سمجھتے۔ ان میں بھی نظر نہیں آئی۔ عبد الکریم صاحب برابر بتاتے رہے کہ یہ فلاں مقام ہے یہ فلاں بلڈنگ ہے۔ یہ ہائی کورٹ ہے۔ یہ وزارتوں کے الگ الگ دفتر ہیں۔ وغیرہ وغیرہ! لیکن ظاہر ہے کہ ان سب پر ایک طائرانہ نگاہ ڈال لینے کے علاوہ اور گنجائش ہی کیا تھی! پھر کچھ دیر ہم پیدل بھی چلے۔ اسی اثنا میں ایک عظیم الشان ڈیپارٹمنٹل اسٹور میں پہنچ کر کچھ چیزیں خریدیں مجھ کو کراکری کا بچپن سے شوق ہے۔ ایک اعلیٰ قسم کا ٹی سیٹ خریدا لیکن یہ سیٹ جاپانی نہیں، امریکن تھا۔ جاپان کی خاص مصنوعات کی کچھ چیزیں بھی لیں۔ روسی احباب نے بھی خوب خریداری کی۔ ایک جگہ جب ہم خریداری کر رہے تھے ہم سب کی تواضع جاپانی چائے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے کی گئی۔ یہ چائے محض کہنے کو چائے ہے۔ ورنہ درحقیقت مرغ یا کسی اور پرندہ کا ست نکال کر اس کا پاؤڈر بنا لیا گیا ہے۔ ایک پیالی چائے کی لیجئے۔ اس میں خوب گرم پانی ڈال کر ایک چھوٹا چمچہ پاؤڈر کا لے کر پانی میں گھول لیجئے۔ نہایت خوش ذائقہ۔ مفرح اور مقوی چائے تیار ہو گئی۔ سچ پوچھئے تو یہ چکن سوپ ہے جو کھانے سے قبل پیا جاتا ہے لیکن جاپان میں لوگ اس کو وقت بے وقت چائے کی طرح استعمال کرتے ہیں اور اس میں شبہ نہیں کہ یہ چائے سے کہیں زیادہ مفید اور صحت کے لئے سودمند ہے۔

روسی سفارت خانہ میں | تین بجے کے قریب ہوٹل واپسی ہوئی۔ لنچ کا وقت گذر گیا تھا۔ اس لئے کچھ ہلکی پھلکی چیزیں کھا کر چائے پی اور کچھ دیر آرام کیا۔ عبدالکریم صاحب گھر چلے گئے تھے۔ حسب وعدہ پانچ بجے وہ پھر ہوٹل پہنچ گئے۔ اب ہم پھر ہوٹل سے نکلے۔ عبداللہ جان (روسی وفد کے ایک رکن) نے کہا "روسی سفارت خانہ میں سفیرِ روس سے ملنا ہے۔ کیا آپ بھی ساتھ چلیں گے؟" میں نے کہا "بڑے شوق سے"۔ چنانچہ ہم سب پہلے سفارت خانہ آئے۔ عبداللہ جان نے میرا اور عبدالکریم کا تعارف کرایا۔ یہ سفیر اور ان کے فرسٹ سکریٹری جو وہاں موجود تھے بڑے اخلاق اور تپاک سے پیش آئے اور چائے وغیرہ سے تواضع کی۔ سفارت خانہ میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس کا کم از کم میرے اوپر غیر معمولی اثر ہوا۔ اور میرے بعض خیالات کی تائید اور بعض دوسرے لوگوں کی رائے کی تردید ہو گئی۔

جیسا کہ میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں۔ عبداللہ جان تاشقند کے مفتی ضیاء الدین بابا خان کے بھائی یا بھتیجے ہیں۔ قرآن مجید کے حافظ ہیں یا نہیں۔ یہ معلوم نہیں۔ البتہ قاری ضرور ہیں۔ قرآن مجید سے ان کو بڑا شغف ہے۔ یوں بھی وقت بے وقت ہوٹل کے کمرہ میں یا باہر لان پر ٹہلتے ہوئے میں نے اکثر ان کو خوش الحانی سے قرآن پڑھتے سنا ہے۔ یہ اور ان کے ساتھی نماز کے بھی پابند ہیں۔ کانفرنس میں جب کبھی نماز کا وقت ہو جاتا یہ نماز ادا کرنے باہر نکل جاتے پروفیسر عبدالکریم کو بھی میں نے نماز کا بہت پابند پایا۔ اب سنئے! سفارت خانہ میں عو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی نماز کا وقت تنگ ہوگیا تھا۔ اس لیے قاری عبداللہ جان نے فرسٹ سکریٹری سے کہا، "ہم نماز پڑھنا چاہتے ہیں"۔ فرسٹ سکریٹری نے کہا "بہت بہتر" چنانچہ کوٹھی کے ایک حصہ میں انتظام کردیا گیا۔ عبداللہ جان نے خود اذان دی اور ہم سب نے جماعت سے نماز پڑھی۔ ابھی فارغ ہوکر بیٹھے چائے پی ہی رہے تھے کہ مغرب کا وقت بھی ہوگیا۔ اگر میں تنہا ہوتا تو یقیناً میں اس نماز کو اٹھا جاتا کیونکہ میں سفر میں عموماً جمع بین الصلوتین کرتا ہوں۔ لیکن عبداللہ جان پھر کھڑے ہوئے۔ بڑی خوش الحانی سے اذان دی اور مجھ سے امامت کے لیے اصرار کیا۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو عبداللہ جان نے ایک رکوع قرآن مجید کا قرأت سے پڑھ کر ہم کو سنایا۔

__اشوک ہوٹل میں ڈنر__ | سفارت خانہ سے نکل کر ٹوکیو کے بازاروں میں کچھ دیر اِدھر اُدھر گھومے پھرے۔ اس کے بعد ہم کو ایک ڈنر میں شریک ہونا تھا۔ یہاں ٹوکیو میں جنوب مشرقی ایشیا کے ممالک کی عظیم الشان ایسوسی ایشن کا صدر دفتر ہے۔ اس ایسوسی ایشن کے صدر کو ٹوکیو میں میری آمد کی اطلاع عبدالکریم صاحب کے ذریعہ ہوئی تو اسی وقت انھوں نے میرے اعزاز میں ڈنر کی دعوت جاری کردی۔ روسی وفد کے ارکان بھی مدعو تھے۔ اِدھر اُدھر گھومنے اور چکّر لگانے کے بعد ہم لوگ ایسوسی ایشن کے دفتر پہنچے۔ تو جناب صدر اور ان کے سکریٹری نے ہمارا استقبال کیا۔ صدر (افسوس ہے ان کا نام یاد نہیں رہا۔ اور جاپانیوں کے نام یوں بھی کم یاد رہتے ہیں۔ اور اس وقت جب کہ میں یہ سطور صرف اپنی یاد سے لکھ رہا ہوں۔ میرے پاس نہ میری ڈائری ہے اور نہ موصوف کا دیا ہوا تعارفی کارڈ) تمام دنیا کی کئی مرتبہ سیاحت کئے ہوئے ہیں۔ نہایت قابل خوش طبع اور شگفتہ مزاج انسان ہیں۔ ڈیل ڈول میں مولانا شوکت علی مرحوم سے کچھ ہی کم ہوں گے سگریٹ مسلسل پیتے ہیں اور بولتے بھی بہت ہیں۔ جس ایسوسی ایشن کے وہ صدر ہیں اس کا مقصد جنوب مشرقِ ایشیا میں جتنے ممالک ہیں ان کے درمیان ثقافتی اور تجارتی تعلقات قائم کرنا اور انہیں ترقی دینا۔ چنانچہ اس انجمن کی شاخیں ہر ملک میں قائم ہیں۔ موصوف سے عالمی مسائل پر عموماً اور کوئٹو کی مذہب اور امن کانفرنس پر خصوصاً کچھ دیر خوب گفتگو رہی۔ اس کے بعد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہم لوگ اٹھے۔ ڈنر کا انتظام ایک ہندوستانی ریستوران میں تھا جس کا نام اشوک ہوٹل تھا۔ اور جو اس دفتر سے تھوڑے فاصلہ پر ہی تھا۔ ہم وہاں پہنچے تو چند اور جاپانی خواتین اور مرد بھی مدعو تھے۔ کھانے تمام تر ہندوستانی مغلئی تھے۔ یعنی مرغ مسلم، مچھلی، بریانی، سیخ کباب، دہی بڑے، سموسے، قسم قسم کی ترکاریاں، پھل اور میوے۔ نوع بہ نوع حلوے اور مٹھائیاں۔ کھانے کے ساتھ ساتھ گفتگو بھی ہوتی رہی جس میں خواتین نے بھی حصہ لیا۔ جاپان کی خواتین لباس اور وضع قطع کے اعتبار سے بالکل یوروپین ہیں لیکن ان میں ایک خاص قسم کا شرمیلا پن ہوتا ہے اور وہ مسکرا مسکرا کر بات بھی کرتی ہیں تو آنکھوں سے حیا کا انداز ٹپکتا ہے۔ گفتگو میں کئی موقعے آئے جبکہ مجھ کو اکبر الہ آبادی۔ غالب اور اقبال کے اشعار کا مطلب انگریزی میں بیان کرنا پڑا۔ اس سلسلہ میں جب میں نے اکبر کی نظم "ایک مس سیمیں بدن سے کر لیا لندن میں عقد" پڑھ کر سنائی اور اس کا مطلب اور اس کا شانِ نزول بیان کیا تو سب ہنستے ہنستے بیدم ہو گئے۔ ایک خاتون نے کہا "آپ ہمارے مہمان خصوصی ہیں اور کل ہی واپس ہو رہے ہیں اس لیے اکبر کی شخصیت اور ان کے فن پر ایک تقریر کر دیجیے۔ ورنہ ہم باقاعدہ آپ کے لکچر کا انتظام کرتے۔ کھانا بہت زیادہ کھا لیا تھا اور اس وقت لکچر دینا بہت مشکل تھا۔ لیکن محترمہ کی درخواست کا رد کر دینا بھی آسان نہیں تھا۔ اس لیے میں آمادہ ہو گیا اور کھانے سے فراغت کے بعد میں نے کم و بیش چالیس منٹ اکبر اور ان کی شاعری پر تقریر کی۔ خواتین اس تقریر کے نوٹ لیتی اور خوب قہقہے بھی لگاتی رہیں۔ لیکن میں نے اس وقت محسوس کیا کہ غالب اور اقبال کے اشعار کا انگریزی میں ترجمہ کر دینا سہل ہے۔ اکبر کے اشعار کا ترجمہ شعر کی بلاغت اور اس کی رمزیت کی رعایت کے ساتھ بہت مشکل ہے۔

ٹوکیو سے روانگی | ساڑھے دس یا گیارہ کے قریب یہ مجلسِ رنگین و پُرلطف ختم ہوئی۔ اور میں اور روسی وفدان حضرات سے رخصت ہو کر ہوٹل واپس آ گئے۔ عبدالکریم صاحب بھی ساتھ تھے۔ مجھ کو دوسرے ہی دن واپس ہونا تھا۔ انھوں نے کہا ابھی کیا ابھی دو تین دن تو اور

© rasailojaraid.com